رضا علی عابدی

اُردو کے یورپین شاعر جارج بیش شوؔر میرٹھی

(ولادت ۱۸۲۳ء۔ وفات ۲۳ر فروری ۱۸۹۴ء میرٹھ)

Abstract: - *Studing Ghazal in the context of history , people of subcontinent as well as orientalists have contributed lot to make this genre a remarkable. This article introduces a particular European poet George Besh Shor Merithi who compiled six Diwans. The first Diwan was published in 1877 from Meerath. He was master of various genres like the native speakers.*

ہمارے برصغیر کی تاریخ بھی خوب ہے۔ کس نسل، کس قوم، کس روپ اور کس رنگ کے باشندے نے اس سرزمین پر قدم نہیں رکھا۔ چہار جانب سے لوگ آتے گئے اور آباد ہوتے گئے۔ کوئی اپنے ساتھ اپنی رسمیں لایا، کوئی رواج لایا، کسی کے ساتھ اس کے نظریات آئے اور کسی کے ساتھ اُس کے عقیدے۔ یہ سب کچھ آ کر برصغیر کے رنگ میں رنگ گیا اور اکثر اوقات اپنی اصل شکل وصورت سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

کچھ یہی حال زبان، الفاظ اور لب و لہجے کا ہوا۔ پرتگالی، فرانسیسی، ولندیزی، افغان، ترک، عرب اور ایرانی نژاد نو وارد اپنے ساتھ اپنی زبانیں لائے جو بڑی آہستگی سے برصغیر کی مقامی زبانوں میں مدغم ہو گئیں۔

اس پورے عمل کے نتیجے میں اس سرزمین کی خاک سے وہ شگوفہ پھوٹا جسے وقت نے اردو کا نام دیا۔ اس سارے عمل میں جو نازنیں پل کر جواں ہوئی وہ اردو غزل تھی۔ غزل نے ہر ایک کو اپنی جانب کھینچا۔ کون تھا جو اس کی زلف کا اسیر نہیں ہوا۔

غزل کا اور اس کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ دلچسپ حال کھلتا ہے کہ غیر ملکی نو واردوں نے بھی اردو کا جامہ پہنتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ قلم سنبھالا اور غزل کہی۔

ایسے شاعروں کی تعداد تقریباً سو کے لگ بھگ ہے جو بنیادی طور پر غیر ملکی تھے مگر شعر اردو میں کہتے تھے۔ خود برصغیر اور برطانیہ کے کتب خانوں میں اردو کے جرمنی، فرانسیسی اور برطانوی شاعروں کے درجنوں دیوان محفوظ ہیں۔ ان کا مطالعہ ذہن میں طرح طرح کے چراغ جلاتا ہے۔ لیکن جو بات ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اردو شعر گوئی کے ارتقاء کا مشاہدہ اور مطالعہ کرتے ہوئے ہم اردو کے ان غیر ملکی اور فرنگی شاعروں کو اور ان کے کلام کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔

ان شاعروں کے کلام میں اپنے وقت کے اسلوب کا اور اس دور کے اساتذہ کا رنگ پوری طرح غالب ہے۔ ان کے اشعار میں وہ چھوٹے چھوٹے قدم صاف عیاں ہیں جو دنیا کی ایک نومولود زبان آگے کی سمت اٹھا رہی تھی۔

اس وقت ہمارے پیش نظر ''شاعر بلاغت اندیش، فصاحت کیش، جناب مسٹر جارج بیش'' ہیں جن کا تخلص ''شورؔ'' تھا۔ جارج بیش شورؔ اس شوق اور کثرت سے شعر کہتے تھے کہ انھوں نے اپنے چھ دیوان ترتیب دیئے۔ ان کا پہلا دیوان ۱۸۷۷ء کے قریب ان کے اپنے شہر میرٹھ میں چھپا تھا۔

دوسو بیس صفحات کے اس دیوان میں ان کی سینکڑوں غزلوں، بہت سی رباعیوں، تخمسوں، سروں، مرثیوں اور تاریخوں کے علاوہ کوئی ایک درجن قصیدے بھی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر کمشنر ملتان، ولیم فورڈ تک مختلف لوگوں کی شان میں کہے گئے ہیں۔

جارج بیش شورؔ کے باپ فرانسیسی تھے، ماں جرمن تھیں۔ وہ خود علی گڑھ میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ کوئی ۱۸۲۳ء کی بات ہے۔ نوجوانی میں انھوں نے پولیس کی ملازمت کی۔ پھر اُن کے نانا ''فراسو'' نے انہیں میرٹھ بلا لیا۔ فراسو خود بھی پائے کے شاعر تھے اور سردھنہ کی بیگم سمرو کے دربار سے وابستہ تھے۔

ان ہی دنوں ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے شعلے بھڑکے اور جارج بیش شورؔ نے میرٹھ میں ان شعلوں کی تپش پوری شدت سے محسوس کی۔

جب اس جنگ کی آگ سرد پڑی، اس وقت شورؔ بے روزگار تھے۔ ان ہی دنوں گوڑگانوں کے ڈپٹی کمشنر، ولیم فورڈ نے انھیں قصبہ ریواڑی میں پولیس کی ملازمت دی اور کچھ عرصے بعد تبادلہ کر کے انھیں محکمہ پرمٹ میں اسسٹنٹ گرداوری کا عہدہ دیا۔ انھیں ضلع رہتک میں کلہادر کی چھوٹی سی چوکی پر مقرر کیا گیا جو بستیوں سے دور، دہلی کی شاہراہ پر واقع ہے۔ کلہادر کی اس تنہائی میں اتفاقاً شورؔ کی ملاقات پرگنہ سانپلہ کے تحصیل دار منشی ہرجیون لال سے ہوئی جو بڑے ذوق وشوق سے شعر کہا کرتے تھے۔ دو تین برسوں کی ملاقاتوں کا یہ اثر ہوا کہ جارج بیش کے قلم سے بھی اشعار کے موتی ٹپکنے لگے۔

ایک دن منشی صاحب نے شورؔ سے کہا کہ اپنا دیوان کیوں مکمل نہیں کرتے؟ یہ بات دل کو لگی۔ طبیعت کو جوش آیا۔ اشعار کا تانتا بندھا اور اوراق مرتب ہونے لگے۔ اس دوران میں شورؔ کی ملازمت جاتی رہی اور وہ دوبارہ گھر بیٹھ رہے، مگر شعروں کی آمد جاری رہی۔ بالآخر ۱۸۶۴ء میں دیوان مکمل ہو گیا۔ اس میں انھیں پانچ برس لگے۔

اب اس پر کسی استاد سے اصلاح لینا ضروری تھا۔ اُن ہی دنوں حافظ غلام دستگیر مبیّن دہلی سے میرٹھ پہنچے۔ انہوں نے دیوان شورؔ پر نظر ثانی کی اور اس طرح یہ دیوان چھاپے خانے تک پہنچا جسے اب ڈیڑھ سو برس ہونے کو ہیں۔ کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ اردو کے یہ کیسے کیسے محسن تھے، اس زبان کے گلستان کی آبیاری کرنے والے یہ کیسے کیسے غنچہ دہن لوگ تھے، وقت نے ہمارے ذہن کی لوح سے کس طرح ان کے نام مٹا دیئے۔ اب ہم نہ کسی جارج بیش شورؔ کو جانتے ہیں نہ اس کے کسی شعر سے واقف ہیں یہ بھی ایک دولت تھی مگر چونکہ علم و ادب کی تھی اس لئے ہم اس کے دوست نہ ہوئے۔

ان آنکھوں سے ہم نے اک زمانا دیکھا
ناداں کو بکار خویش دانا دیکھا
دشمن اور دوست دولت کے ہیں سب
دنیا کا عجب کارخانا دیکھا

جارج بیش شورؔ کی اس رباعی کے بعد دیوانِ شورؔ سے ایک انتخاب پیش خدمت ہے:

دل عکس چشم سے مرا پیمانہ ہوگیا
شیشہ تھا آگے ، اب تو یہ میخانہ ہوگیا
آباد ہے خیال بتاں سے دلِ خراب
افسوس تھا جو کعبہ وہ بُت خانہ ہوگیا
سودا ہوا ہے جب سے تری زلف کا مجھے
دل چاک چاک ہو کے مرا شانہ ہوگیا
پریاں ہمارے دل میں اترتی ہیں رات دن
شیشہ تھا پہلے ، اب یہ پری خانہ ہوگیا
اے شورؔ تھا بہار سے آباد جو چمن
بادِ خزاں کے چلتے ہی ویرانہ ہوگیا

کس کی نظر لگی کہ میں بیمار ہوگیا
مجھ کو تو عین عشق کا آزار ہوگیا
داغوں کی میرے دیکھ تو آکر کبھی بہار
یہ سینہ سیر کو تری گلزار ہوگیا
سودا ہوا ، بلا میں پڑا، سنتشر رہا
زلفوں سے تیری جس کو سروکار ہوگیا
غیروں کے ساتھ دیکھ کے اُس گل کو باغ میں
غیرت سے سوکھ سوکھ کے دل خار ہوگیا

صیاد کا قصور نہیں خود میں شوق سے
فوراً قفس کو دیکھ، گرفتار ہوگیا
اے شورؔ جم کے پھر نہ اٹھے اُس جگہ سے تم
مسکن تمہارا کوچۂ دلدار ہوگیا

جارج بیش شورؔ نے اردو کے مختلف اساتذہ کے انداز میں بھی بہت سی غزلیں کہیں۔ مثلاً خواجہ اسد اللہ قلقؔ کے اس مطلع کو سامنے رکھ کر

کوچۂ غیر میں گزاری رات
ہوئی روز جزا ہماری رات

شورؔ نے یہ غزل کہی:

تم نے ہنس کر وہاں گزاری رات
یہاں رو کر کٹی ہماری رات
رہا ابرو کا دھیان ساری رات
تیغ سے کٹ گئی ہماری رات
صبح تک ہر ادا پہ جان گئی
خوب کی ہم نے جاں نثاری رات
یار ہو، چاندنی ہو اور مے ہو
دے خدا ایسی پیاری پیاری رات
شورؔ میں جوں قلقؔ ہے کچھ باقی
صبح پھر کیا، اگر گزاری رات

اس کے بعد بات غالبؔ تک پہنچی اور یہ تضمین ہوئی۔

پہنچیں فلک پہ ہم بھی جو تجھ سا بشر ملے
رکھیں نہ پا زمیں پہ جو تیرا سا گھر ملے
قسمت کہاں کے لطف ہمیں اس قدر ملے
تسکیں کو ہم نہ روئیں جو ذوق نظر ملے
حورانِ خلد میں تیری صورت مگر ملے

دیوانِ شورؔ کا مطالعہ کرتے ہوئے آگے چلیں تو چند رباعیاں ملتی ہیں۔ یہ وہی دور تھا جب پورے ہندوستان میں انیسؔ اور دبیرؔ کا ڈنکا بج رہا ہوگا چنانچہ اس وقت شورؔ نے بھی کچھ اچھی رباعیاں کہیں:

ہر بات میں ہچکی ہم کو آتی ہے مدام
تھم جاتی ہے ، جب تمہارا لیتے ہیں نام
سچ پوچھو تو ڈاک ہے یہ ہرکارے کی
آنے کا تمہارے ہم کو دیتے ہیں پیام

دل کہتا ہے اُس کوچے میں ہاں پہنچیں گے
ناطاقتی کہتی ہے کہاں پہنچیں گے
رو رو کے ہم اس لئے بہاتے ہیں اشک
اس موج میں بہتے ہوئے واں پہنچیں گے

شورؔ کی اردو شاعری نے اپنے دور کی خوب خوب نمائندگی کی ہے۔ وہی زمانہ ہوگا جب آگرے کی مِس ایلس اور پونا کے مسٹر کاتر کی شادی ہو رہی تھی اور میرٹھ کے جارج بیش کھڑے یہ سہرا پڑھ رہے تھے:

آج ایلس کے بندھا سر پہ منوّر سہرا
جلوہ حق سے بنا ہے یہ سراسر سہرا

ملک پونا سے جو نوشہ کو خدا نے بھیجا
کیوں نہ پھر جامے سے باہر ہو یہ سن کر سہرا
ساقیا جام کا دورہ ہو ، خوشی کا دن ہے
گاویں سب پی کے برانڈی کا یہ ساغر سہرا
ہاتھ سے ہاتھ ملا ، میں نے کہا دولہا سے
لو مبارک ہو تمہیں مسٹر کاتر سہرا

سہرے کا یہ آخری شعر بھی یقیناً برانڈی پی کر کہا گیا ہوگا ورنہ لفظ مسٹر پر ایسی توانا اضافت نہ لگاتے۔ یوں بھی شورؔ کی شاعری میں شراب کا ذکر بار بار آتا ہے۔ جہاں وہ برسات کی پھواروں کی باتیں کرتے ہیں وہیں جام اور ساقی کا تذکرہ بھی ہوتا ہے مگر سوڈے اور برانڈی کے ساتھ۔

اس سہرے کی طرح شور کے دیوان میں کہیں کسی کے گھر بیٹے کی ولادت پر نظم کہی گئی ہے اور کہیں کسی فرنگی کی موت پر مرثیہ لکھا گیا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں فرنگیوں کی ہلاکت کا نوحہ بھی ہے اور آخر میں اسداللہ خاں غالبؔ کے انتقال کی تاریخ بھی کہی ہے جو قابل توجہ ہے:

افسوس کے غالب سخن سنج موا
یہ حادثہ دہلی میں نیا اور ہوا
تاریخ جو اس کی میں نے چاہی اے شورؔ
ہاتف نے کہا ''چراغ دہلی کا بجھا''

چراغ دہلی کا بجھا ۱۲۸۵ھ

تذکروں میں شورؔ میرٹھی کا ذکر یوں ملتا ہے:

''اردو کے یورپین شاعروں میں اُن کا نام سرفہرست ہے۔ رحمِ میرٹھی اور مشیر دہلوی کے شاگرد تھے۔ شورؔ بہت پرگو شاعر تھے۔ روزانہ ایک دو غزلیں کہنا ان کا معمول تھا۔

اُردو میں شور کے پانچ دیوان اور دو مثنویاں اور فارسی میں ایک دیوان ہے۔ جس کا نام گلشن فرنگ ہے۔ پہلا دیوان ممتاز المطابع میرٹھ (۱۸۷۸ء) میں چھپا۔ پانچواں دیوان ۱۸۹۰ء میں مطبع جگت پرکاش میرٹھ میں طبع ہوا۔ اس دیوان کا نام ستارۂ شور ہے جو ۲۵۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اسے آفتاب داغؔ اور گلزار داغؔ کے جواب میں لکھا گیا ہے جس میں شور نے داغ کی غزلوں پر غزلیں کہی ہیں۔ ان کی مثنویوں میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو ایک اچھی مثنوی میں ہونی چاہئیں۔ ایک مثنوی میں غدر کا حال بھی بہت عمدگی سے بیان ہوا ہے''۔

(بحوالہ فن اور شخصیت۔ کوائف نمبر۔ بمبئی ۱۹۹۴ء)

☆☆☆